ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

ڈاکٹر جابر حسین

شعبہ اردو، ماڈل کالج، F-10، اسلام آباد

ڈاکٹر سید عون ساجد نقوی

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، وفاقی اردو یونی ورسٹی، اسلام آباد

تابش دہلوی کی شخصیت اور نظم نگاری کا فن

Dr. Jabir Hussain
Islamabad Model College, Urdu department F-10, Islamabad.
Dr. Syed Aoun Sajid Naqvi
Assistant Professor, Urdu department Federal Urdu University, Islamabad.

The Personality and the Art of Poetry of Tabish Dehlvi

Syed Masood ul Hasan Tabish Delhvi is a prominent poet of Urdu Ghazal and Naat. He was also a famous News Reader of Radio Pakistan Karachi. He learnt a lot about poetry and its art from the famous Urdu Ghazal Poet Shaukat Ali Khan Faani Badayoni. Poems of Tabish Delhvi are also a remarkable contribution in the history of Pakistani Urdu poem which needs to be discussed. This article is intended to study of the poems of Tabish Delhvi to bring forth his creative dimensions.

Key Words: *Tabish Dehlvi, Urdu poetry, Urdu poems.*

سید مسعود الحسن تابشؔ دہلوی، مولوی ثناء اللہ کے بیٹے، مولوی عنایت اللہ کے پوتے، مولوی ذکاء اللہ کے نواسے تھے۔ تابشؔ دہلوی کے پڑ دادا کا نام نظام الدین نظامی تھا جو شعر و ادب سے گہرا شغف رکھتے تھے۔ معروف تذکرہ نگار نواب مصطفی خان شیفتہؔ سے نظام الدین نظامیؔ کے قریبی مراسم تھے۔ تابشؔ دہلوی کے نانا مولوی عنایت اللہ اور پڑنانا مولوی ذکاء اللہ دار الترجمہ حیدر آباد کی معروف شخصیات میں سے تھے۔

تابشؔ دہلوی صاحب کے ددھیال اور ننھیال کا تعلق علمی و ادبی سپوتوں سے تھا اور شاید یہی وجہ ہے کہ تابشؔ دہلوی بھی وادء شعر و ادب میں منفرد اور بلند مقام حاصل کر گئے۔ ان کے سسرال (دوسری شریک حیات کا

ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

خاندان)کا تعلق بھی ادب سے گہرا تھا۔ ان کی دوسری شریک حیات نواب طالع یار خان کی پوتی تھیں۔ ڈاکٹر محمود الرحمن کے مطابق "یہ وہی طالع یار خان ہیں جن کا ذکر مرزا غالب نے اپنے خطوط میں کیا ہے "(۱)

تابشؔ دہلوی کی دوسری شریک حیات رشتے کے لحاظ سے غالب کی بھانجی لگتی ہے۔ یوں تابشؔ کے دَدھیال، نھیال اور سسرال تینوں کا گہرا تعلق اردو شعر و ادب سے رہا اور تابشؔ کی سخنوری میں ان تینوں کے خونِ جگر، فکرِ رسا اور اندازِ بیاں کی آمیزش ہو گئی۔

۹ نومبر ۱۹۱۱ء کو دہلی کی مردم خیز زمین میں مسعود الحسن نے مولوی ثناء الحسن کے گھر میں آنکھ کھولی۔ قرآن مجید اور عربی و فارسی کی ابتدائی تعلیم دہلی ہی میں حاصل کی۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے لیے تابش دہلوی نے دلی کے ایک ہندو صوفی منش بزرگ منشی شودیاں کایستھ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیے۔ منشی شودیاں صاحب وحدتِ ادیان کے قائل ایک باکردار، شریف اور خوش خلق شخصیت تھے۔ مختار زمن نے منشی شودیاں کے بارے میں لکھا ہے:

> وہ وحدتِ ادیان کے قائل تھے۔ نماز بھی پڑھتے تھے اور پوجا بھی کرتے تھے۔ سنسکرت بھی جانتے تھے اور عربی فارسی کے بھی عالم تھے۔ ان کی آزاد خیالی کے باعث گھر والوں نے انھیں گھر سے نکال دیا، شودیاں صاحب نے ایک مکتب کھولا۔ اسی مکتب میں تابش? صاحب نے ان سے قرآن پڑھا۔ شودیاں نہایت نفیس طبع، خوش گفتار اور خوش خط انسان تھے اب یہی وضع شاگرد کی ہے۔(۲)

۱۲/ ۱۳ سال کی عمر میں تابشؔ کو مولوی عنایت اللہ کے پاس حیدر آباد روانہ کر دیا گیا۔(۳) دہلی سے دور حیدر آباد کے ایک مشہور سکول "دارالعلوم" میں تابشؔ دہلوی کو آٹھویں جماعت میں داخلہ ملا۔ نویں اور دسویں جماعت کی تعلیم دہلی کے ایک ہندو ہائی سکول سے حاصل کی۔ میٹرک کے بعد گھریلو حالات کی ناسازگاری کے باعث ان کا تعلیمی سلسلہ قدرے جمود کا شکار ہوا۔ تابشؔ کے دل میں حصول تعلیم کا شوق ابتدا ہی سے تھا۔ چنانچہ اپنے تعلیمی سفر کے رکنے سے انہیں ایک طرح کی بے چینی اور اضطرابی کیفیت محسوس ہونے لگی۔ لہذا تعلیمی سلسلے کو دوبارہ شروع کیا اور کراچی یونیورسٹی میں بی۔اے کے لیے داخلہ لیا اور اس مرحلے کو بھی کامیابی سے طے کیا۔ تابشؔ دہلوی نے دو شادیاں کیں۔ پہلی شادی ۲۸ سال کی عمر میں ۱۹۳۹ء میں عرب سرائے (دہلی) کے ایک سید گھرانے میں انجام پائی۔ پہلی شادی سے ان کے آنگن میں ایک بچی کی شکل میں خوشیوں اور رحمتوں کا وُرود ہوا۔ پانچ

سال بعد پہلی بیگم کا انتقال ہوا۔ پہلی بیگم کے بطن سے پیدا ہونے والی بیٹی اب اس وقت صاحب اولاد ہیں۔ دوسری شادی ۱۹۴۶ء میں ہوئی۔ ان کی دوسری شریکِ حیات نواب طالع یار خان کی پوتی اور نواب افضل یار خان کی صاحب زادی تھیں۔ افضل یار خان کے خسر حکیم احسن اللہ خان تھے اور نواب مصطفی خان شیفتہ ان کے ماموں تھے۔ دوسری شادی سے ان کے ہاں تین بیٹیاں اور ایک بیٹا (سعود تابش) پیدا ہوا۔

درونِ خانہ تابش کی زندگی پر سکون اور بشاشت سے پر گزری۔ وہ اولاد کے سلسلے میں ایک شفیق و مہربان باپ اور شریک حیات کے سلسلے میں ایک مخلص، ہمدرد اور ذمہ دار شوہر تھے۔ شریک حیات اور اولاد سے اظہار محبت و شفقت و ہمدردی کو اپنا دینی و اخلاقی فرض سمجھتے تھے۔ ڈاکٹر اسلم فرخی نے تابشؔ دہلوی کا حلیہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

> ”لمبا قد، بڑی بڑی روشن آنکھیں، ستواں ناک، چوڑی پیشانی، مسکراتا کتابی چہرہ، ڈھال میں وقار، جامہ زیب لباس سے غیر معمولی نفاست، کپڑے عارفِ کامل کے دل کی طرح بے داغ، کوئی سلوٹ نہ شکن، صادق الخیری مرحوم کہا کرتے تھے: تابش؟ کیا تم کپڑے پہنے کے بعد استری کرواتے ہو؟“[۴]

تابشؔ دہلوی نے غزل کا اولین شعر تب کہا جب وہ ابھی میٹرک پاس نہیں کر چکے تھے۔ ابتدا میں ان کا تخلص مسعود ہی تھا چنانچہ ڈاکٹر انور سدید اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے کہ

> تابشؔ (پ ۱۹۱۱ء) نے غزل کا پہلا شعر ۱۹۳۳ء میں کہا۔ اس وقت ان کی عمر ۲۲ برس تھی۔ اور وہ مسعود کے نام سے موسوم ہوتے تھے۔[۵]

ان کی پہلی نظم "دلّی" ۱۹۳۰ء میں ادبی معروف ماہنامے "ساقی" میں چھپی۔ (۶) اس ماہنامے کے ایڈیٹر معروف ادب شاہد احمد دہلوی تھے۔ مختار زمن کی اس بات کے مطابق تابشؔ دہلوی کی پہلی نظم جس وقت چھپی اس وقت ان کی عمر ۱۹ سال قرار پاتی ہے۔ ڈاکٹر انور سدید اور مختار زمن کے حوالوں کے مطابق تابشؔ دہلوی نے ۱۹ سال کی عمر میں نظم کہی اور چھپ بھی گئی جبکہ ۲۲ سال کی عمر میں پہلی غزل کہی۔ تابشؔ دہلوی کی پہلی مطبوعہ نظم پڑھ کر میر ناصر علی مرحوم نے ماہنامہ "ساقی" کے ایڈیٹر شاہد احمد دہلوی سے کہا کہ انشاءاللہ یہ بچہ کبھی بڑا شاعر بنے گا۔[۷]

تابشؔ دہلوی زبان اور بیان دونوں میں دہلوی کی مستند اور ٹکسالی زبان کے مظہر تھے۔ وہ شاعری میں جو زبان برتتے ہیں اس میں تمام لسانی محاسن کا خیال رکھ کر برتتے ہیں۔ اردو کی مستند زبان اور لہجہ تابشؔ کو اس وقت

ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

معلوم ہو چکا تھا جب کہ وہ ابھی بہت چھوٹے تھے۔اپنی والدہ گرامی سے تابشؔ دہلوی نے دہلی کی معتبر اور معیاری زبان کے مزاج اور تیور سے آگاہی حاصل کی تھی۔چنانچہ یہ کہنا بے جانہ ہو گا کہ تابشؔ دہلوی کی زبان اگر معیاری اور معتبر ہے تو اس کی بنیادی وجہ اور سبب ان کی والدہ تھیں۔ان کی والدہ محترمہ کو اردو زبان پر جو دسترس حاصل تھی وہ اپنی مثال آپ تھی۔تابشؔ دہلوی کے لسانی شعور کو ارتقاو تہذیب سے آشنا و آراستہ کرنے میں جتنا کردار ان کی والدہ کا ہے اس کی کوئی اور ہمسری نہیں کر سکتا۔ان کی والدہ ایک فصاحت و بلاغت سے آشنا ادبی مزاج و معلومات رکھنے والی خاتون تھیں۔

مادری زبان،مادری زبان،ماں کی گود میں زبان سیکھی،سنتے آئے ہیں حقیقت تابشؔ صاحب کی والدہ سے مل کر روشن ہوئی۔تابشؔ صاحب کی والدہ مرحومہ کو اللہ تعالیٰ نے فصاحت وبلاغت کی جو خوبی،زبان کا جو دل موہ لینے کا انداز عطا کیا تھا کم از کم میں نے ایسا انداز اور خوبی کہیں نہیں دیکھی۔ہزاروں اشعار ازبر تھے۔مثلیں، محاورے ،فارسی کے فقرے نوک زبان پر تھے۔گفتگو کیا تھی،ایک طلسم تھا۔سنتے جایئے اور عش عش کرتے جائے۔[۸]

زبان کی صحت اور طریق استعمال کیسلسلے میں تابشؔ انتہائی سخت گیر اور روایت پرست تھے۔ان کی یہ سخت گیری شاعروں کی دنیائے زبان میں ان کی شہرت وعزت کا باعث بنتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر سید ابوالخیر کشفی تابشؔ دہلوی کو ان معدودے چند لوگوں میں شمار کرتے ہیں جن سے دلی کی مستند اور ٹکسالی زبان کا اظہار ہوتا ہے۔ تابش صاحب زبان کی صحت کے بارے میں نہایت سخت گیر اور روایت پرست ہیں۔وہ ان دو تین آدمیوں میں سے ہیں جنہیں میں دلی کا لہجہ قرار دیتا ہوں۔[۹]

غرض یہ کہ تابشؔ دہلوی اپنی جائے پیدائش اور زبان کی شہرت و صحت و پختگی کے اعتبار سے دہلوی ہونے کا اعلان اپنے اقوال و افعال دونوں سے کرتے ہیں۔وہ اپنے دور میں دلی کی زبان اور اندازِ بیان کے ترجمان تھے۔وہ دہلی کے رہنے والے ہیں اور اپنے پورے وجود میں اس کی نمائندگی کرتے ہیں۔انہیں زبان وبنان پر حاکمانہ قدرت حاصل ہے۔[۱۰]

تابشؔ دہلوی نے میٹرک پاس کرنے کے بعد ۱۹۴۱ء میں آل انڈیا ریڈیو میں ملازمت اختیار کی۔۱۹۴۷ء میں جب پاکستان بنا تو وہ بھی شعبۂ خبر کے ساتھ لاہور آگئے۔۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۰ء تک وہ لاہور ریڈیو اسٹیشن کے شعبۂ خبر سے خبریں پڑھتے رہے۔۱۹۵۱ء میں جب ریڈیو اسٹیشن بندر روڈ پر منتقل ہوا تو لاہور سے ریڈیو پاکستان کا شعبۂ خبر

کراچی منتقل کر دیا گیا اور یوں تابشؔ دہلوی بھی کراچی پہنچ گئے۔(۱۱)۔ تابش دہلوی ۱۹۴۱ء سے ۱۹۶۳ء تک مسلسل ۳۲ سال ریڈیو پاکستان سے خبریں نشر کرتے رہے

شعر گوئی کا شوق تو تابشؔ دہلوی کو بچپن ہی سے تھا۔ وہ مشاعروں میں بطور سامع بچپن ہی سے شریک ہوا کرتے تھے۔ ۱۹۳۸ء کے بعد خود تابشؔ دہلوی نے مشاعرہ پڑھنا شروع کیا۔ گویا وہ ۱۹۳۸ء تک مشاعروں میں محض سامع بن کر اساتذۂ فن کے فنی اظہار و بیان کے انداز و اسالیب کا بغور مشاہدہ کرتے رہے، سیکھتے رہے اور سنتے رہے۔ مشاعروں میں اساتذۂ فن کے شعری اظہار اور تہذیبی و ادبی روایت کے جمال و کمال اور رکھ رکھاؤ کو باریک بینی سے اپنے ادراک و احساس کا حصہ بناتے رہے۔ مشاعروں کی جو تفصیل انھوں نے بیان کی ہے اس سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ تابشؔ دہلوی نے ان مشاعروں کو ایک عام سامع کے طور پر نہیں بلکہ ایک تہذیبی و ادبی روایت کے سچے پکے عاشق و شائق کے طور پر سنا اور ان کی معنویت کو درک کیا ہے۔ فانیؔ بدایونی، جگرؔ مراد آبادی، جوشؔ ملیح آبادی، نظمؔ طباطبائی، جیسے استادانِ فن کے اعزاز میں منعقد کیے جانے والے مشاعروں میں تابشؔ سراپا گوش بن کر شرکت کرتے تھے۔

فانیؔ بدیوانی، ہوشؔ بلگرامی، نظمؔ طباطبائی، مولوی عنایت اللہ، میرزا ہادی رسواؔ، میرزا فرحت اللہ بیگ، میرزا یاس یگانہؔ اور حیرتؔ بدایونی جیسی قدر آور شعری شخصیات اور ماہرین فن کو بلاواسطہ دیکھنے، سننے اور سمجھنے کی سعادت تابشؔ دہلوی کو نصیب ہوئی۔ ان شخصیات میں سے بعض کے دامنِ عطوفت میں کئی کئی سال تابشؔ دہلوی نے گزارے۔ اساتذۂ غزل کی صحبتوں سے تابشؔ دہلوی کس قدر فیضیاب ہوئے اور کس حد تک ان اساتذہ سے تابشؔ دہلوی کا تعلق رہا اس بات کا اندازہ ان کی یادداشتوں پر مبنی نثری کتاب "دید باز دید" میں شامل ان مضامین سے لگایا جا سکتا ہے جو انہوں نے اپنے محسنوں اور باکمال افراد کے سلسلے میں تحریر کیے ہیں۔ ان مضامین کو پڑھنے کے بعد ان کے نصیب کی بلندی پر رشک آتا ہے۔ مثلؔ وہ اپنے عہد کی غزل کی ایک توانا اور جانی پہچانی آواز جگرؔ مراد آبادی کے سلسلے میں یوں رقم طراز ہیں:

> ان سے ایک بار ملنے کے بعد بار بار ملنے کی خواہش ہوتی۔ وہ لوگوں سے لوگوں کا ذہن ایک سطح پر لا کر ملتے۔۔۔ مجھے جگر صاحب سے نیاز مندی کا شرف ۱۹۳۸ء سے حاصل رہا لیکن ۱۹۴۵ء اور ۱۹۵۸ء میں جگرؔ صاحب کا کراچی میں طویل قیام اس شرف میں مزید

ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

اضافہ کا سبب بنا۔ان کی شفقت اور محب میرے لیے ع: کرم ہائے تو مارا گستاخ کرد، کا مصداق تھی۔(۱۲)

حیدر آباد میں قیام کے دوران تابش دہلوی فانی بدایونی کے بہت قریب رہے۔فانی بدایونی سے تابش دہلوی نے بہت اثر قبول کیا۔ڈاکٹر شکیل رضا نوازش نے اس ضمن میں لکھا ہے کہ جن شخصیات نے تابش دہلوی کو سب سے زیادہ متاثر کیا ان میں فانی بدایونی کا نام سر فہرست ہے۔(۱۳) ان کی خوش قسمتی کہیے کہ حیدر آباد میں انہیں فانی بدایونی جیسے استادِ فن میسر آئے چنانچہ تابش دہلوی بھی بقول سرور جاوید "فانی کے گرویدہ ہو گئے بلکہ عاشق ہو گئے۔"(۱۴)

فانی بدایونی اور تابش دہلوی میں استاد شاگرد کا رشتہ روز بروز مستحکم ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ ایک دوسرے کے گھر آنا جانا ہو۔تابش دہلوی نے اس سلسلے میں لکھا ہے "جس دن میں نہ جاتا وہ خود میرے یہاں تشریف لے آتے۔"(۱۵)

تابش دہلوی پر ادب کی فن قدر آور اور مستند شخصیات کا اثر مرتّب ہوا،ان میں میر تقی میر،میرزا اسد اللہ خاں غالب، جگر مراد آبادی، جوش ملیح آبادی، اقبال، یاس یگانہ اور فانی بدایونی کے نام شامل ہیں۔زمانی و مکانی فاصلے چونکہ فانی بدایونی اور تابش دہلوی کے درمیان مفقود تھے اس لیے سب سے زیادہ اثرات فانی بدایونی سے قبول کیے۔اس بات کا پہلا ثبوت تو تابش دہلوی کے کلام میں فانی بدایونی کے رنگ و آہنگ کی موجودگی ہے اور دوسرا بقول ڈاکٹر شکیل نوازش رضا "ثبوت کے طور پر یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے سب سے زیادہ مضامین فانی کی شخصیت اور شاعری پر تحریر کیے ہیں۔"(۱۶)

قیام پاکستان سے قبل آل انڈیا دلی میں ملازمت کے دوران ان کے ساتھ چراغ حسن حسرت،ڈاکٹر ایم ڈی تاثیر، فیض احمد فیض، ن۔م راشد، مولانا حامد علی خاں، مختار صدیقی، خلیل الرحمن اور ضیا جالندھری جیسے شعراء کی دوستی تھی۔اپنے ایک مضمون میں پطرس بخاری کی کوششوں سے منعقد کیے جانے والے ایک مشاعرے کے ہم عصر شاعر شرکاء کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> شاعروں میں چراغ حسن حسرت،ڈاکٹر تاثیر، فیض احمد فیض، ن۔م راشد، مولانا حامد علی خاں ، میراجی، مختار صدیقی، خلیل الرحمن اور ضیا جالندھری اور میں بھی شریک تھے۔ہمارے علاوہ اور بھی ادیب تھے۔(۱۷)

ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

آل انڈیا ریڈیو دہلی کے توسط سے ان کی شناسائی میرا جی اور ن۔م۔ارشد جیسے جدید اور مشہور فن کاروں سے بھی ہوئی۔ چنانچہ اپنے ایک مضمون "میرا جی میرا دوست" میں میرا جی سے دوستی کی شروعات کا ذکر یوں کرتے ہیں:

> ''۱۹۳۴ء کا ذکر ہے ایک دن آل انڈیا ریڈیو دلی کے براڈکاسٹنگ ہاؤس پہنچا تو ن۔م راشد کے کمرے میں میرا جی بیٹھے دیکھا۔۔۔یہ تھی میرا جی سے میری پہلی ملاقات۔اس کے بعد تقریباًہر روز میرا جی سے ملاقات ہوئی۔ وہ روز بروز زیادہ بے تکلف اور قریب ہوتے گئے۔رفتہ رفتہ یہ ملاقاتیں دوستی میں تبدیل ہو گئیں۔''(۱۸)

میرا جی کے توسط سے تابش دہلوی اردو کے کئی بڑے ادیبوں سے رشتہ دوستی میں منسلک ہو گئے اوران کے ساتھ مل بیٹھنے کے سلسلے شروع ہوئے چنانچہ ایک جگہ لکھا ہے:"میرا جی، ن م۔راشد، اخلاق احمد دہلوی، انصار ناصری، مختار صدیقی، خلیل الرحمن اور دفتر کے بعد بھی ایک دوسرے ساتھ رہتے"۔(۱۹)

تابش دہلوی کی نظموں کے مجموعے "غبار انجم" طبع ۱۹۸۴ء میں ۲۹ نظمیں، ۱۴ ملی نظمیں، ۱۴ شخصی و ذاتی نظمیں، ایک قصیدہ غالب پر، اسی قصیدے سے متصل ایک غزل اور ایک ہائیکو شامل ہے جبکہ ۴ ملی نوعیت کی نظمیں "دھوپ چھاؤں" طبع ۱۹۹۶ء میں بھی شامل ہیں۔ مجموعہ کلام "غبار انجم" میں شامل نظم "خلد باز یافتہ" ذرا سی ترمیم کے ساتھ کتاب "دھوپ چھاؤں" میں بھی شامل کی گئی ہے۔یوں مجموعی طور پر کل نظموں کی تعداد (نعت اور حمد کے علاوہ) ۶۰ بنتی ہے۔ان ۶۰ منظومات میں سے بھی اگر شخصیات اور ذاتیات پر لکھی نظموں کو منہا کر کے دیکھا جائے تو نظموں (بطور صنفِ سخن) کی تعداد محض ۲۹ بنتی ہے۔ کمیت کے اعتبار دیکھا جائے تو تابش دہلوی کی نعتوں کی تعداد "تقدیس" میں ۳۰ ، " دھوپ چھاؤں" میں ۲۹ بنتی ہے۔یوں کل نعتیں ۵۹ بنتی ہیں جبکہ غزلوں کی کل تعداد ۶۴۹ بنتی ہے۔اس گنتی کے پیشِ نظر یہ کہنا بے جا نہیں ہو گا کہ تابش دہلوی بنیادی میلان غزل کی جانب رہا۔ یہاں یہ غلط فہمی کسی قاری کو نہیں ہونی چاہیے کہ تابش دہلوی چونکہ میدانِ غزل کے شہسوار ہیں تو وہ میدانِ نظم و نعت و منقبت میں معمولی درجے کے شاعر ہیں۔ تابش دہلوی نے جہاں غزل گوئی میں اپنا منفرد نام و مقام پیدا کیا ہے وہاں ان کی نظم ، نعت اور منقبت نے بھی ایک وسیع حلقۂ احباب بنانے میں کامیابی حاصل کی ہے۔ تابش دہلوی کی وہ ۲۹ نظمیں در اصل ان کی نظم کی فنی پختگی کی گواہی دیتی ہیں۔ تابش دہلوی نے ہیئت کے اعتبار سے

ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

پابند نظمیں بھی لکھی ہیں اور آزاد نظمیں بھی۔ دونوں طرح کی نظموں میں تابشؔ دہلوی نے اپنے منجھے ہوئے فنکار ہونے کا پورا پورا ثبوت دیا ہے۔

نظم اور غزل میں بنیادی طور پر بڑا فرق ہوتا ہے۔ ضروری نہیں کہ غزل کا ہر شاعر اچھی نظم بھی لکھ سکے۔ اسی طرح یہ بھی کوئی ضروری امر نہیں کہ کامیاب نظم گو، غزل بھی ہر صورت میں اچھی ہی لکھے۔ دونوں اصنافِ سخن کے فنی پیمانے اور تقاضے مختلف ہیں۔ تابشؔ دہلوی نظم اور غزل دونوں کے فنی تقاضوں سے نہ صرف واقف ہیں بلکہ ان تقاضوں کو پورا کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں انھوں نے غزل کے میدان میں اپنا لوہا منوایا وہاں میدانِ نظم میں بھی اپنے اشہبِ فن کو بڑی کامیابی سے دوڑایا اور داد و تحسین وصول کی۔ اپنی نظموں کے مجموعے "دھوپ چھاؤں" کے مقدمے (حرفِ آغاز) میں تابشؔ دہلوی نے غزل اور نظم کی شاعری میں موجود بنیادی فرق کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ تابشؔ دہلوی کو دونوں اصنافِ سخن کی فنی باریکیوں کا پورا ادراک تھا۔ ملاحظہ کیجیے:

> "نظم اور غزل کی شاعری میں بنیادی فرق ہے۔ غزل تقلیلِ لفظی، اختصار، ایجاز اور ابہام کا (اہمال کا نہیں) مطالبہ کرتی ہے۔ بحور اور قافیہ و ردیف کی پابندی اس کے علاوہ ہے۔ بر خلاف اس کے نظم تفصیل اور تفسیر چاہتی ہے۔ اس کا ہر گوشہ وضاحت طلب ہوتا ہے۔ نظم بھی غزل کی طرح بحور کی پابند ہوتی ہے۔"(۲۰)

پیکرِ نظم کے فنی و فکری تقاضوں سے تابشؔ دہلوی نہ صرف واقف ہیں بلکہ نظم کے مزاج سے فنی و روایتی مطابقت رکھنے والی لچک کا بھی خیر مقدم کرتے ہیں۔ تابشؔ دہلوی کے نظمیہ مجموعے "غبارِ انجم" کا حرفِ آغاز اس اعتبار سے ایک خوبصورت تنقیدی اظہار ہے کہ اس میں انھوں نے نظم اور غزل پر پر مغز باتیں کی ہیں۔ یہ باتیں تابشؔ دہلوی کی نظموں کی فنی اور فکری تفہیم میں بہت معاونت فراہم کرتی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> "پہلے نظم ترجیع بند، ترکیب بند، مسدس، مخمس اور مثنوی کی شکل میں کہی جاتی تھی۔ جوں جوں زمانہ بدلتا گیا نظم کی ہیئتوں میں بھی تبدیلی آتی گئی اور مغربی ادبی رجحانات کے تصادم سے ہماری نظم کی شاعری نے نئی نئی ہیئتیں قبول کرنی شروع کر دیں اور یہاں تک ہوا کہ قافیہ اور ردیف کی قید ہی نہیں بلکہ بحر کی پابندیوں کو بھی اٹھا دیا گیا اور نظمِ معرا اور نظمِ آزاد ہی نہیں بلکہ نثری نظم بھی وجود میں آ گئی۔ یہ بحث الگ ہے کہ "نثری نظم" نظم ہے بھی کہ

نہیں؟۔"(۲۱)

تابشؔ دہلوی کی بعض نظمیں ڈرامائی انداز لیے ہوئے ہیں۔ بطور مثال ان کی نظم "معدلت" ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ بعض میں فلسفیانہ انداز نظر اور طنز کی آمیزش صاف دِکھتی ہے۔ اس ضمن میں ان کی نظمیں درج ذیل نظموں کو ملاحظہ کیا جا سکتا ہے:۔ وقت، ایک دوست سے، عورت، مسافر، اندھا فقیر۔

ان کی نظم "اندھا فقیر" ایک طنزیہ نظم ہے جو لاشعور و لاعلم انسانوں کی فکر اور سوچ کو زیرِ طنز لاتی ہے۔ جو لوگ تہذیب کے نام پر بد تہذیبی کا پرچار کرتے ہیں اور اندھے فقیر کی طرح کائنات کے تہذیبی حقائق و انوار سے ناشناس ہیں۔

بعض نظموں میں ہندی اثرات نمایاں نظر آتے ہیں مثلاً "ہولی" کے زیر عنوان لکھی گئی دونوں نظمیں اور "جیون: تین روپ" کو اس ضمن میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ بعض نظموں میں رومانویت کی چھاپ گہری اور تغزل کی کار فرمائی نمایاں طور ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ اس ضمن میں ان کی نظمیں۔۔۔ کو دیکھ کر، بوسہ، ترغیب، ایک چاندنی رات قابلِ ذکر ہیں۔

تابشؔ دہلوی نے بعض نظموں میں تغزل کا بھی سہارا ضرور لیا ہے مگر نظم کو غزل بننے نہیں دیا اور یہی ان کا فنکارانہ کمال ہے جو محض ریاضتِ فن سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ ان کی نظم "۔۔۔ کو دیکھ کر" بلحاظِ ہیئت مخمس ترکیب بند ہے۔ اس نظم کا بظاہر موضوع، رومانوی غزل کا سامان لیے ہوئے ہے۔ دو بند ملاحظہ کیجیے۔

مری نظر میں بھی پرتو ہے شعلۂ دل کا
تپش سے خاک نہ یہ کشتِ آرزو ہو جائے
مرے نفس میں بھی طوفاں ہے جذبہ دل کا
کہیں تباہ نہ ایوانِ رنگ و بو ہو جاءے
مآلِ شوق نہ بن جائے شوق کی تمہید!!
قبول کر کہ مجھے دو جہاں نصیب نہیں
بہائے زیست ہے زخمی جگر، دلِ پُر درد
قبول کر کہ مہ و کہکشاں نصیب نہیں

متاعِ شوق ہے اک اشکِ گرم و آہِ سرد

نظر نواز تصدق ہے تجھ پہ حسرتِ دید!!

اس مقام پر افضل صدیقی کی درج ذیل رائے سے اتفاق کرنے میں کسی طرح کے تامل کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی کہ "تابش صاحب کی نظمیں بھی ان کی غزلوں کی طرح دل آویز ہیں۔۔۔ ہیئت اور تنوع کے اعتبار سے ہر نظم اپنی جگہ پُر اثر ہے۔"(۲۲)

تابشؔ دہلوی نے خود بھی اپنی نظموں کے حوالے سے اس بات کی امید کا اظہار کیا ہے کہ بحروں اور مختلف ہیئتوں کے تنوع سے ان کی تاثیر میں اضافہ ہو گا۔ "غبار انجم" کے حرف آغاز میں لکھا ہے:

"میری ان نظموں میں پابند نظمیں بھی ہیں، معرا اور آزاد نظمیں بھی اور بعض میں ہندی بحریں بھی استعمال کی گئی ہیں۔ امید ہے بحروں اور مختلف ہیئتوں کے تنوع سے شاید یہ نظمیں زیادہ پر تاثیر ہوں اور قاری پر وہی تاثر قائم کریں جو اِن کو کہتے وقت میرا تھا۔"(۲۳)

تابشؔ دہلوی کی ایک نظم کا عنوان ہے "ایک جن ایک آدمی" جو کہ جنگجو اقوام عالم کے نام لکھی ہے۔ نظم ہیئت کے اعتبار سے آزاد نظم ہے۔ ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی نے اس نظم کے حوالے سے نظم کے نقادوں کو آڑے ہاتھوں لیتے ہوئے لکھا ہے:

"اردو میں نظموں میں ہیئت کے تجربوں میں ہمارے ناقدین نے دور کی کوڑی لانے والے شاعروں کی ابہام زدہ، جنسیات آلود ہاور آبرو باختہ نظموں کا مزے لے لے کر ذکر کیا ہے لیکن اِس نظم کا حوالہ جس کی یہ مستحق تھی نہیں دیا ہے۔"(۲۴)

پوری نظم قارئین کی نذر قرائت کرنا دلچسپی اور فائدے سے خالی نہ ہو گا۔ ملاحظہ کیجیے:

سنا ہے یہ پریاں یہ جنات ہیں قاف کے رہنے والے،

وہی قاف!

جس کی زمیں ہے زمرد کی، نیلم کے ہفت آسماں ہیں۔

جہاں کی فضاؤں میں ہیں لعل و مرجان کے طائر پر افشاں،

ہوائیں ترنم فروش اور نغمہ بر زباں ہیں۔

بہت دور تک سیم و زر کے پہاڑوں کا اک سلسلہ ہے،

بیاباں ہیں کندن کے، پکھراج کی وادیاں ہیں،
درختوں میں لگتے ہیں ہر روز زرین خوشے،
مے وانگبیں کے بھی چشمے رواں ہیں،
کِھلا کرتے ہیں پھول دن رات، شاداب چہروں کی صورت،
جہاں سرو شمشاد کی شکل میں نوجواں ہیں،
جہاں شہر در شہر بستے ہیں زریں قباو سمن پر
بہت خوش جمالوں کی آبادیاں ہیں جہاں،
جہاں دشت در دشت انجم و مہ و مہر بکھرے پڑے ہیں،
جہاں گہرہائے نایاب سیلِ رواں یم بہ یم ہیں،
وہاں موت کوئی تصور نہیں شعبۂ زندگی کا
حیاتِ ابد راحتِ جاوداں لمحہ لمحہ مگر
اس طلسمِ طرب تک پہنچنا کچھ آساں نہیں ہے
بہت دشت و در درمیاں ہیں!!
یہ سارا علاقہ ہے زیرِ نگیں ایک سردار جن کا، اور اک اک قدم پر
ہزاروں طلسم و فسوں پاسباں ہیں!!!
مگر ایک طوطے میں اس جن کی جاں ہے مقید
یہ طوطا ہے موتی محل میں اور اس راستے میں
بہت موت کی گھاٹیاں ہیں بہت کوہ و دریا
مگر آدمی نے تدبر کے ہاتھوں اسے مار ڈالا
کہاں ہیں وہ پریاں وہ جن وہ طلسم و فسوں اب کہاں ہیں؟؟
جِنوں سے یہ انسان کتنا بڑا ہے!!!
مگر اس زمیں پر جہاں زندگی ہے کہ بکھری پڑی ہے
ہزاروں طلسمات اک اک قدم پر عیاں ہیں نہاں ہیں

کہیں خُرد سالی میں تقدیسِ عمرِ ابد ہے
کہیں سال خُوردہ زمان و مکاں آفرینش نشاں ہیں
کبھی ہر نظر غربِ ماہ مبیں، شرقِ ماہِ منور
کبھی چرخِ افکار و عرشِ تصور، یہی قلب و جاں ہیں
خِرد کے لیے قطرہ قطرہ ہے نارفتہ طوفاں
جُنوں کے لیے پھول ہے ناشگفتہ گلستاں
کبھی اک گُلِ نغمہ فردوسِ راحت ہوا ہے
کبھی حرفِ شیریں میں سَو لذتیں دو جہاں کی
کبھی دسترس میں ہیں لاکھوں طلسمی جزیرے
کہیں دُور رنگیں خیالات کی بستیاں ہیں
کبھی اک تبسم میں ہیں زعفراں زاد پیہم شگفتہ
خرابات کی وادیاں اک ترنم سے پیدا
کہیں ایک منظر پہ ہے منحصر حسن جلوہ گری کا
کبھی اک تجلی جہاں در جہاں ہے۔
غرض سارے آفاق کی وسعتیں گُم ہیں اس آدمی میں،
بہت بے کراں یہ دل و جاں کی پہنائیاں ہیں۔۔۔ بہت بیکراں!!
یہ جِن تو نہیں ہے، اسے مار دینا کچھ آساں نہیں ہے،
یہاں تک رسائی ہے مشکل، دو عالم یہاں درمیاں ہیں،
جِنوں سے یہ انسان کتنا بڑا ہے!! یہ کمزور انسان!!

اس نظم کے پہلے حصے میں ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کے مطابق تاریخ آدم کے اُس دور کی کہانی کو بیان کیا گیا ہے جب مہم جو خطرات کو دعوت دینے والا اُن سے نبرد آزما اور آخر کار اُن تمام خطرات پر فتح حاصل کرنے والا کردار ہوتا ہے۔ جن مہمات کو وہ سر کرتا ہے اس میں صرف انسانوں سے نہیں جنوں اور جادوگروں سے اُس کا مقابلہ ہوتا ہے اور آخر میں انسان غالب آتا ہے۔ یہ ایک خواب ہے لیکن ان کہانیوں اور داستانوں میں جو صدیوں سے دنیا

کی مختلف زبانوں میں نظم اور نثر میں انسانی تہذیب کا ایک عظیم سرمایہ اور انسان کے عزم و حوصلے کا ایک عظیم خواب ہے۔ اسے اِن تمام مہمات پر فتح حاصل کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔(۲۵)

"یہ دنیا طلسمات کی دنیا ہے۔ طلسمات کی دنیا سے زیادہ یہ حقیقی زندگی بذاتِ خود ایک بہت بڑا طلسم ہے۔ اس حقیقی زندگی میں بھی طلسماتی کرشمہ سازی ہے۔ یہ حقیقی طلسماتی دنیا بظاہر کتنی حسین اور پُرسکون معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقت میں انسان اسی زندگی میں اپنے آپ کو کس قدر مجبور اور لاچار پاتا ہے اور جنوں پر غالب آنے والا مدبر اور طلسم شکن انسان بے کسی اور مجبوری میں کتنا چھوٹا اور کمزور نظر آتا ہے۔"(۲۶)

تابشؔ دہلوی کی وجہِ شہرت اور بنیادی میدان تو غزل ہے لیکن انھوں نے نظموں میں بھی اپنا تخلیقی جوہر دِکھا دیا ہے۔ یہ بات بلا تامل کہی جا سکتی ہے تابشؔ دہلوی کی نظمیں نظم کی تفہیم و تنقید کے کسی بھی عمومی زاویے کے لحاظ سے کمتر نہیں ہیں۔ ان کی نظموں میں شعریت نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ جذبہ و تخیل اور اظہار و بیان کا اسلوب و انداز اور لسانی مہارت و گرفت اور افکارواحساسات کے اعتبار سے ان کی نظمیں قابلِ تحسین اور لائقِ مطالعہ ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ محمود الرحمان، ڈاکٹر، "تابش دہلوی شخصیت اور شاعری"، مشمولہ: مجلہ نذر تابش، ناشر: کل پاکستان حلقہ ادب، کراچی، ۱۹۹۹ء، ص ۲۲۵

۲۔ مختار زمن، "تابش دہلوی: ایک تاثر"، مشمولہ: مجلہ نذر تابش، ص ۱۷۸

۳۔ ایضاً، ص ۱۷۸

۴۔ اسلم فرخی، ڈاکٹر، "نذر تابش"، مشمولہ: مجلہ نذر تابش، ص ۱۷۲

۵۔ انور سدید، ڈاکٹر، "آزادی کے بعد پاکستان میں اردو غزل کے عناصر اربعہ" مشمولہ: مجلہ نذر تابش، ص ۲۴۹

۶۔ مختار زمن، "تابش دہلوی ایک تاثر"، مشمولہ: مجلہ نذر تابش، ص ۱۸۰

۷۔ صہبا لکھنوی، "انکشاف ذات"، مشمولہ: مجلہ نذر تابش، ص ۱۶۴

۸۔ اسلم فرخی، ڈاکٹر، "نذرِ تابش" مشمولہ: مجلہ نذر تابش، ص ۱۸۳

۹۔ کشفی، سید ابوالخیر، "تلاش جلوہ حرف سپاس"، مشمولہ: مجلہ نذر تابش، ص ۲۰۱

۱۰۔ منتخب الحق، مولانا، "اقتباس"، مشمولہ: مجلہ نذر تابش، ص ۲۸۰

۱۱۔ نیاز بدایونی، "میری پسندیدہ شخصیت: تابش دہلوی"، مشمولہ: مجلہ نذر تابش، ص ۳۱۸

۱۲۔ تابش دہلوی، مسعود الحسن، "حضرت جگر مراد آبادی: کچھ یادیں"، مشمولہ: دید باز دید، کل پاکستان حلقہ ادب، کراچی طبع دوم ۱۹۹۷ء، ص ۳۳

۱۳۔ شکیل رضا نوازش، ڈاکٹر، "تابش دہلوی: فکر و فن"، مشمولہ: مجلہ نذر تابش، ناشر: کل پاکستان حلقہ ادب، کراچی، ۱۹۹۹ء، ص ۳۱۰

۱۴۔ سرور جاوید، "تابش ایک تہذیبی علامت"، مشمولہ: مجلہ نذر تابش، ص ۲۶۵

۱۵۔ تابش دہلوی، مسعود الحسن، "کچھ یادیں کچھ باتیں"، مشمولہ: دید باز دید، کل پاکستان حلقہ ادب، کراچی طبع دوم ۱۹۹۷ء، ص ۸۹

۱۶۔ شکیل نوازش رضا، ڈاکٹر، "تابش دہلوی: فکر و فن"، مشمولہ: مجلہ نذر تابش، ص ۳۱۰

۱۷۔ تابش دہلوی"، میراجی میرا دوست"، مشمولہ: دید باز دید، ص ۵۸

۱۸۔ ایضاً، ص ۵۵

۱۹۔ ایضاً، ص ۵۵

۲۰۔ تابش دہلوی، مسعود الحسن، "حرف آغاز"، مشمولہ: غبار انجم، نوید پرنٹنگ پریس ناظم آباد کراچی، طبع اول ۱۹۸۴ء، ص ۱۱

۲۱۔ ایضاً، ص ۱۱

۲۲۔ افضل صدیقی، "تابش دہلوی اپنے کلام کے آئینے میں"، مشمولہ: مجلہ نذر تابش، ص ۲۴۱

۲۳۔ تابش دہلوی، مسعود الحسن، "حرف آغاز"، مشمولہ: غبار انجم، نوید پرنٹنگ پریس ناظم آباد، کراچی، طبع اول ۱۹۸۴ء، ص ۱۳

۲۴۔ ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر، "تابش دہلوی میری نظر میں"، مشمولہ: مجلہ نذر تابش، کل پاکستان حلقہ ادب، کراچی، ۱۹۹۹ء، ص ۲۴۶

۲۵۔ ایضاً، ص ۲۶۴

۲۶۔ ایضاً، ص ۲۶